قرونِ وسطیٰ میں اسلامی ہند کا نظامِ تعلیم

ڈاکٹر اخلاق احمد

مسلمانوں نے نصف صدی کے اندر تقریباً آدھی دنیا کو زیرنگیں کر لیا۔ فتوحات کی سرگرمیوں اور دیگر دشواریوں کے باوجود علمی محرکات سے سرشار مسلمانوں نے علمی ترقی میں کوتاہی نہیں کی۔ مکہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مکان اور مدینہ میں اصحاب صفہ کا چبوترہ عہد نبویؐ کی ابتدائی درسگاہیں تھیں۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ اپنی علمی سرگرمیوں کے لئے مشہور تھے، جہاں قرآن، حدیث، فقہ، نحو، ادب، بلاغت اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے بعد شام و فلسطین، مصر، خراسان، اسپین، سسلی، ایران، افغانستان اور ہندوستان میں بے شمار شہر اور قصبات علم دین کے مرکز بن گئے۔ قرون وسطیٰ میں ہندوستان کے اندر مختلف جگہوں پر ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم، مدارس اور مکتب قائم ہوئے جن میں سے کچھ مشہور جگہیں یہ تھیں: آگرہ، دہلی، اجمیر، ٹھٹھہ، جونپور، جلال آباد، سرہند، سہالی، قنوج، کلیر، امیٹھ، بدایوں، بریلی، بجنور، بلگرام، بھوپال، پانی پت، بنارس، اعظم گڑھ، پٹنہ، تھانیسر، حیدرآباد، رامپور، سورت، شاہجہاں پور، خیرآباد، لکھنؤ اور کلکتہ وغیرہ۔

جب مسلمان ہندوستان آئے اور یہاں اپنی سلطنت قائم کی تو انہوں نے اس ملک کو اپنے طریقۂ تعلیم سے روشناس کرایا۔ الغزالی اور نظام الملک جیسے ماہرین تعلیم اور بلند مرتبہ معلمین کا طریقۂ تعلیم یعنی "مدرسہ سسٹم" یہاں رائج ہوا۔ یہاں کے مخصوص حالات کے پیش نظر یقیناً کچھ تبدیلیاں کی گئیں، لیکن بنیادی ڈھانچہ تقریباً وہی رہا۔

مسلم ہندوستان میں تعلیم کے ارتقاء کی تاریخ دور غلامان سے شروع ہوتی ہے۔ اس دور میں سینکڑوں مسجدیں تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز نظر آتی ہیں۔ جس طرح عہد وسطیٰ کے یورپ میں چرچ مذہبی اور دنیوی تعلیم کا مرکز تھا۔ اس دور کا سب سے اہم فرد جس نے تعلیم کی طرف توجہ کی سلطان ناصرالدین تھا جس نے دہلی میں مدرسہ ناصریہ قائم کیا تھا۔

تعلیم کو آگے بڑھانے میں خلجی خاندان نے بھی کم کام نہیں کیا۔ لیکن حقیقت میں یہ فیروز شاہ تغلق تھا جس نے تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اسے علم سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنے دور میں تقریباً تیس نئی درسگاہیں قائم کیں۔ قدیم مدارس جن کو اس نے دوبارہ شروع کرایا اس کے علاوہ ہیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ایک بڑے مدرسے کا قیام تھا جو اسی کے نام سے موسوم تھا اور جہاں روایتی تعلیم کا مکمل انتظام تھا۔ یہ مدرسہ ایک شاندار عمارت میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میں ایک عظیم الشان مسجد بھی تھی۔ ان مدارس کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں وقت کے بڑے بڑے علما درس دیتے تھے جن کی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے ادا کی جاتی تھیں۔

فیروز شاہ تغلق کے بعد سکندر لودھی کو اس بات کا شوق ہوا کہ تعلیم عام کی جائے۔ اسے تعلیم سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ سکندر لودھی ہی وہ پہلا حکمران تھا جسے انتظامی ضروریات کے لئے غیر مذہبی تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ فرشتہ رقمطراز ہے کہ "ہندو جنھوں نے کبھی فارسی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی تھی اس کے عہد میں عام طور سے اسلامی ادب کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔"[۲] اس کے علاوہ لودھی ہی کے عہد میں محقق طوسی کے بنائے ہوئے روایتی نصاب تعلیم میں شیخ عزیز اللہ اور شیخ عبداللہ نے قابل قدر اضافے کئے۔ قاضی عضد کی تصانیف مطالع اور مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم کو نصاب میں داخل کیا گیا۔ علم منطق کو ہندوستان میں انہی حضرات نے فروغ دیا۔[۳]

اس کے بعد مغل دورِ حکومت میں قدم رکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں مسلم تہذیب و تمدن عروج پر ہے۔ مغل کلچر صرف کورٹ کلچر کا جز بہ تھا۔ حکمرانوں نے بالعموم اسلام کے جمہوری مزاج کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا خیال تھا کہ مسلم اتحاد کی ضرورت صرف اسی وقت پیش آتی ہے جب ہندوؤں کا مقابلہ کرنا ہو۔ اسی لئے اکبر کے علاوہ کسی بھی مغل حکمران نے عوام کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ تعلیم صرف امراء کے چند خاندانوں تک ہی محدود رہتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم پر ریاست کا کنٹرول تھا لیکن ابتدائی تعلیم کا انتظام تمام تر نجی ہاتھوں میں تھا۔ ہمایوں کبیر نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "دلچسپ بات یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے مدارس تو ریاست خود چلاتی تھی لیکن ابتدائی تعلیم کا بندوبست پرائیویٹ کنٹرول میں تھا۔ موجودہ دور میں ریاست کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرے۔ بلکہ کچھ ممالک تو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی ذمہ داری بھی ریاست ہی کے سر ڈالتے ہیں۔ لیکن دورِ وسطیٰ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی یہی کیفیت تھی کہ ریاست صرف اعلیٰ تعلیم کے کچھ مدارس ہی کی سرپرستی کرتی تھی۔"[۴]

ابتدائی تعلیم کو نظر انداز کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ امراء اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے بچے مسجدوں میں جا کر تعلیم حاصل کریں۔ وہ یا تو خود بچوں کو تعلیم دیتے تھے یا گھر پر نجی طور سے اس کا انتظام کرتے تھے۔ تعلیم یافتہ افراد اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام گھر ہی پر کرتے تھے۔ شیخ مبارک کی ذاتی دلچسپی اور تعلیمی سرپرستی ہی نے ابوالفضل کو بلند مقام پر فائز کیا۔[5]

بابر سے لے کر اورنگ زیب تک سبھی حکمران تعلیم یافتہ تھے۔ اکبر خود تعلیم یافتہ نہ تھا لیکن اس نے بھی اس دور کی مغل روح کو جاری و ساری رکھا۔ اکبر کا نقطۂ نظر مذاہب کا اتحاد تھا۔ وہ ہندوستانی سماج کو سیکولر ڈھانچہ میں تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ مسلمان حکمرانوں میں اکبر پہلا حکمران تھا جس نے ہندو اور مسلمان دونوں کی تعلیم کی طرف یکساں توجہ دی۔ اس کے زمانے میں پہلی مرتبہ ہندو اور مسلمان طلبہ کو ایک ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ اکبر بچوں کی تعلیم میں بے حد دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم کے لئے بہت سی ہدایات جاری کیں۔ ان ہدایات نے پورے نظام کو متاثر کیا۔ اکبر کے تعلیمی ڈھانچے میں درج ذیل نکات لائق توجہ ہیں۔ ان سے تعلیم کے بارے میں اکبر کے رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ سب سے زیادہ اہمیت زبان کے حروف کو دی گئی۔ ہر بچہ کے لئے زبان سیکھنا ضروری تھا۔ اس لئے دو دن حروف کو سیکھنے سمجھنے کے لئے مقرر ہوئے۔

۲۔ ان حروف کو سیکھنے کے بعد ان کا ملانا اگلا قدم تھا۔ اس کے لئے ایک ہفتہ رکھا گیا۔

۳۔ نثر و نظم دونوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ بچے اسے زبانی یاد کریں۔

۴۔ معلموں کو ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ طلبہ کے روزانہ کام کا جائزہ لیں اور ان کے کام سے ان کے معیار کو جانچا جائے۔

۵۔ ہر طالب علم کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہندسہ، ریاضی، علم نجوم، منطق، علم معاشیات، علم تمدن، علم طب اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرے۔

۶۔ اعلیٰ تعلیم کو تین حصوں میں منقسم کر دیا گیا۔

(۱) الٰہی (دینیات) (۲) ریاضی (حساب) (۳) طبعی (سائنس)۔

۷۔ سنسکرت تعلیم کے لئے ویاکرن (صرف و نحو) ویدانت (فلسفہ) پتن جلی (یوگ) کا جاننا ضروری تھا۔[6]

عہد اکبری میں روایتی تعلیم کے نصاب میں عضد الملک فتح اللہ شیرازی نے نصاب میں کچھ اضافے کئے اور انہیں بعد حوشی قبول کیا گیا۔ مولانا غلام آزاد فتح اللہ شیرازی کے بارے میں فرماتے ہیں "تصانیف علماء متاخرین ولایت ایران وخراسان وغیرہ مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث منصور و مرزا جان میر فتح اللہ شیرازی در ہندوستان آورد۔"(۷)

ترجمہ: ایران وخراسان وغیرہ کے متاخرین علما کی تصانیف ہندوستان لائے جیسے محقق دوانی، میر صدر الدین، میر غیاث منصور، مرزا جان میر فتح اللہ شیرازی کی کتابیں۔

جہانگیر اور شاہ جہان کے زمانہ میں تعلیم کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دور میں بھی ابتدائی تعلیم نجی افراد کے سپرد رہی اور کہیں ریاست کی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا۔

اورنگ زیب دینی تعلیم کا بہت دلدادہ تھا۔ اس کا مطالعہ بھی وسیع تھا۔ اس لئے اس نے فطری طور پر اس نظام تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ مدارس میں طلبہ کی تعداد بڑھانے اور ان میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اس نے گجرات کے دیوان مکرمت خان کو خاص طور سے یہ ہدایات جاری کیں۔

۱۔ جو طلبہ عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتاب میزان کا مطالعہ کریں انہیں ایک آنہ یومیہ دیا جائے۔

۲۔ جو منشعب کا مطالعہ کریں ان کو ۲ آنہ یومیہ دیا جائے۔

۳۔ جو لوگ کشاف کی تعلیم حاصل کریں انہیں دو آنہ یومیہ دیا جائے۔

۴۔ وہ طالب علم جو شریعت اور فقہ کی کتابوں کی تعلیم حاصل کریں جیسے کہ شرح وقایہ انہیں آٹھ آنہ یومیہ دیا جائے۔"(۸)

اس نظام کو پسند کرنے کے باوجود اورنگ زیب اس کے طریقہ تعلیم کے خلاف تھا۔ وہ اس کے نصاب اور طریقہ تدریس دونوں سے اختلاف رکھتا تھا۔ برنیئر نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کی اس مخالفت کا بہت تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس نے صاف طور سے یہ واضح کیا کہ ایک طالب علم کے لئے عملی دنیا کی تعلیم ضروری ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں ان کی شکست وفتح کے اسباب، ان کا انتظام سلطنت، ان کی پالیسی اور اس کا ردعمل، یہ سب کچھ طالب علموں کو جاننا چاہیئے، تاکہ وہ ان کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر سکیں۔

اورنگ زیب نے خود اپنی تعلیم پر کڑی نکتہ چینی کی ہے اور ان معلموں کے طریقہ تدریس پر غیظ وغضب کا

اظہار کیا ہے جو شہزادوں کو عملی تعلیم کے بجائے چند کتابی الفاظ سے روشناس کراتے ہیں۔ اپنے استاد ملا صالح سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "کیا آپ یہ نہیں سمجھتے کہ طفلی ہی وہ زمانہ ہے جب بچوں کو بہترین ہدایات دی جا سکتی ہیں اور انہیں شاندار کارنامے انجام دینے کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ کیا صرف عربی زبان کی لیاقت کے ذریعہ ہی قانون اور سائنس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے میرے والد شاہجہان کو یقین دلایا کہ مجھے فلسفہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ برسوں آپ نے حماقت انگیز نکات کو سمجھانے میں صرف کئے۔ اور میرے دماغ کو کسی لائق نہ چھوڑا۔ اس تعلیم کا مقصد صرف دماغ کی تمام قوتوں اور فکر انگیزی کو زنگ آلود کرنا ہے۔ گرد و نواح کی اقوام کی زبان سے واقفیت ایک حکمران کے لئے بہت ضروری ہے۔ لیکن آپ نے مجھے صرف عربی کی تعلیم دی۔ ایک ایسی زبان سکھائی جسے دس بارہ سال سخت محنت کے بغیر کوئی شخص اچھی طرح سیکھ نہیں سکتا۔ آپ امید رکھتے ہیں کہ میں آپ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے میرا اتنا قیمتی وقت برباد کر دیا۔ آپ یہ بھول گئے کہ ایک شہزادہ کی تعلیم میں کیا کیا باتیں شامل ہونی چاہئیں۔ اور یہ فرض کر لیا کہ اسے عربی قواعد اور فقہ پر حاوی ہونا چاہئے۔ میری جوانی کے قیمتی سال آپ نے محض الفاظ یاد کرانے میں ضائع کرا دیئے۔" (۹)

اگر برنیئر کی بات میں صداقت ہے تو یہ بات محسوس کی جا سکتی ہے کہ اورنگ زیب آج کی دنیا کا عملی انسان تھا۔ فلسفہ کی تعلیم کے خلاف اس کی شکایت بجا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے مادری زبان کی تعلیم اور ذریعہ تعلیم پر جو زور دیا ہے اس کا احساس آج کے انسان کے دماغ کو زیادہ متاثر کر سکتا ہے۔ ایک بات البتہ تشریح طلب ہے اور وہ یہ کہ اورنگ زیب جب اس روایتی تعلیم کے خلاف تھا تو اس نے اس میں بنیادی تبدیلی کیوں نہیں کی؟ جبکہ برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے زمانہ میں مدارس میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور ریاست کے کونہ کونہ میں روایتی تعلیم کا چرچا عام ہوا۔ اس نظام میں بنیادی تبدیلی کی ذمہ داری مُلّا نظام الدین پر ہے۔ وہ مُلّا قطب الدین شہید کے بیٹے تھے اور انہی کی توجہ و دلچسپی کی وجہ سے اس نظام کو درس نظامیہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ درس نظامیہ اور نظام الملک طوسی نے جو طریقہ جاری کیا تھا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان میں فرق کیا جانا چاہئے۔ درس نظامیہ کو سمجھنے کے لئے اس کے بنیادی عناصر کو سمجھنا ضروری ہے۔

۱۔ درس نظامیہ میں ہر مضمون کی دو بنیادی کتابیں شامل تھیں۔ ان کتابوں پر عبور حاصل کرنے کے بعد اس مضمون

کی ہر کتاب کو سمجھا جا سکتا تھا۔

۲۔ پرانے نصاب میں ایک طالب علم تقریباً بیس سال کی عمر میں اپنا کورس مکمل کرتا تھا لیکن اس نئے نصاب میں کتابوں کے مشکل ہونے کے باوجود طالب علم سولہ یا سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو جاتا تھا۔

۳۔ فلسفہ اور اخلاقیات کی کتابوں کی تعداد دوسری کتابوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حدیث کی صرف ایک کتاب مشکوٰۃ تھی۔ فقہ پہ کتابیں کم تھیں لیکن طلبہ کا رجحان آج کے علما سے مختلف تھا۔ ان میں وسیع النظری ہوتی تھی جو آج کل کم دکھائی دیتی ہے۔

۴۔ درس نظامیہ میں ادب کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لئے ادب کی کتابوں کی تعداد سب سے کم تھی۔[10]

یہ ملا نظام الدین تھے جنہوں نے مسلمانوں کے طریقہ تعلیم میں بنیادی تبدیلی کی۔ اس کا اثر آج تک مسلمانوں کی تعلیم پہ ہے۔ ان کی اہمیت اور شہرت تک نئے نظام ہی کی وجہ سے ہے۔ ہندوستان کے کونہ کونہ میں اس نظام تعلیم کے فضلا موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے آج بھی اسلامی علوم کی شمع روشن ہے۔[11]

عہد عالمگیری کے بعد شاہ ولی اللہ نے اس میں ترمیمات کیں۔ بہت حد تک کتابوں کی ترتیب کو بھی بدل دیا۔ جس کا ذکر ان کے رسالہ الجزء اللطیف میں موجود ہے۔ لیکن فرنگی محل د تمی باشتں کے ساتھ ولی اللہی نصاب کا مزہ پھیکا لگا اور اپنایا نہیں گیا اگرچہ بعد میں دارالعلوم دیوبند نے اس کو اپنی بنیاد بنایا۔

ولی اللہی نصاب ۔ نحو میں کافیہ۔ شرح جامی۔ منطق میں شرح شمسیہ شرح مطالع۔ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ۔ کلام میں شرح عقاید نسفی مع حاشیہ خیالی شرح مواقف نسفی فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)۔ اصول فقہ میں حسامی اور کسی قدر توضیح تلویح۔ بلاغت میں مختصر و مطول۔ ہیأت و حساب میں بعض رسائل مختصرہ۔ طب میں موجز القانون۔ حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کامل، ترمذی کامل، کسی قدر صحیح بخاری تفسیر میں مدارک، بیضاوی۔ تصوف و سلوک میں عوارف و رسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی مقدمہ شرح لمعات۔ مقدمہ نقد النصوص۔[12]

حوالہ جات

1. Law, Narendra Nathe, Promotion of Learning in India During Muhammaden Rule, London, 1916 p. 19.

2. Ibid, P. 76

۳۔ مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، حصہ اوّل۔ دہلی، ۱۹۶۶ء، صفحہ ۲۵۱۔ اور جائزہ مدارس اسلامیہ مغربی پاکستان جامعہ چشتیہ ٹرسٹ، لائل پور ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۶۵۔

4. Humayun Kabir, Continuity of Tradition in Indian Educational Thought, *Indo-Arian culture*, January 1959, P. 230.

5. Beni Prasad, A. Few Aspects of Education and Literature under the great Mughals, Indian Historical Records Commission Proceedings of Fifth Meeting held at Calcutta, January 1923, P. 42.

6. Abul-Fazl Ain-i-Akbari, tr. by Blochmann, Calcutta, 1927, vol. I PP. 288-89

۷۔ مناظر احسن گیلانی۔ صفحہ ۲۵۷۔

8. Law, Narendra Nath, P. 188

9. Bernien, F. Travels in the Moghul Empire, tr. by Archibald Constable,

۱۰۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، اعظم گڑھ، ۱۹۳۲ء، جلد سوم، صفحات ۲۵ - ۲۲۔

۱۱۔ ملّا نظام الدین لکھنؤ سے اٹھائیس میل کے فاصلہ پر قصبہ سہالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملّا قطب الدین اپنے دور کے علما میں ممتاز تھے جن کے پاس دور دور سے لوگ درس کے لئے آتے تھے۔ ملّا نظام الدین ابھی[12] تیرہ برس ہی کے تھے کہ عثمانیوں نے ان کے والد کو شہید کر دیا۔ یہ خاندان کے لئے ایک بڑا سانحہ تھا۔ لیکن چونکہ بڑے صاحبزادے اورنگ زیب کے دربار میں ملازم تھے وہ بادشاہ سے شاہی فرمان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس فرمان کی رو سے لکھنؤ میں فرنگی محل اس خاندان کو عطا کیا

گیا۔ ملا کے خاندان کے سب افراد یہاں آکر آباد ہو گئے اور یہ جگہ ان کا مستقل ٹھکانا بن گئی۔

ملا نظام الدین نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی۔ والد کے انتقال کے بعد تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دیوا اور بنارس جانا پڑا۔ حافظ امان اللہ بنارسی جیسے معلّم کی شاگردی کا انہیں موقع ملا۔ اور انہی کے فیض تربیت نے آپ کو تعلیم کی نئی راہ سے آشنا کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد والد کی گدی پر بیٹھے اور اپنے مشہور مدرسے کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی ان کی شہرت پورے ہندوستان میں عام ہو گئی۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی اصل شہرت اس نظام تعلیم کی وجہ سے ہے جو اس وقت سے لے کر آج تک کسی نہ کسی شکل میں رائج چلا آتا ہے۔

۱۲۔ مولانا عبدالحئی، ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات، صفحہ ۱۲، اور جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان، صفحہ ۷۶۔